تدریس و تصنیف

حافظ ابن القیم کافی عرصہ تک مدرسہ جوزیہ میں درس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور اس کے ساتھ مدرسہ جوزیہ کی امامت بھی ان کے سپرد تھی۔ جو وقت بچتا وہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوتا۔ حافظ ابن القیم کو کتابوں کی خریداری کا بڑا شغف تھا اور اس شوق کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ایک بڑا کتب خانہ جمع کرلیا تھا جس میں بہت سی کتابیں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲) لکھتے ہیں :

وکان یجمع الکتب فحصل منها مالا یحصر حتی
کان اولاده یبیعون منها بعد موته دهرا طویلا[۱۵]

(کتب اندوزی کا بے پناہ شوق تھا۔ چنانچہ لاتعداد کتابیں جمع کیں اور آپ کی اولاد آپ کی وفات کے بعد مدتوں انہیں فروخت کرتی رہی)۔

وفات

۲۳/ رجب ۷۵۱ھ چہار شنبہ کے دن انتقال کیا۔ اور باب الصغیر کے قبرستان میں دفن ہوئے[۱۶]۔

(جاری ہے)

حواشی

۱۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۴ ص ۲۳۴
۲۔ ایضاج ۱۴ ص ۲۳۴،
۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۴۱
۴۔ ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب ج ۳ ص ۳۹۳
۵۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۲۳۵
۶۔ امام ابن تیمیہ" ص ۶۵۹، طبع مدراس ۱۹۵۹ء
۷۔ ذیل طبقات الحنابلہ ج ۳ ص ۳۹۳
۸۔ الدرر الکامنہ۔ ابن حجر ج ۳ ص ۴۰۰
۹۔ ذیل طبقات الحنابلہ ج ۳ ص ۳۹۳،۷
۱۰۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ" ص ۵۲۶
۱۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۲۳۴
۱۲۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ" ص ۵۲۶ (عربی)
۱۳۔ شذرات الذہب ج ۶ ص ۱۸۶
۱۴۔ ابن تیمیہ" حیاتہ وعصرہ ص ۵۲۶
۱۵۔ الدرر الکامنہ ابن حجر ج ۳ ص ۴۰۰
۱۶۔ تاریخ دعوت وعزیمت ج ۲ ص ۲۸۱

لغاتِ واعرابِ قرآن (۵۸)
پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ

آیت : ۶۱

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

[وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ] جو "وَ" (اور) + ضُرِبَتْ (ماری گئی) + "علیٰ" (کے اوپر) + "هِمْ" (ان) کا مرکب ہے اس میں "هِمْ" دراصل "هُمْ" ہی تھا مگر شروع میں "علیٰ" لگنے سے "هِمْ" ہوا پھر آگے ملانے کے لیے خلافِ قیاس "م" کو کسرہ کی بجائے ضمہ (ـُـ) دیا گیا ہے۔ اس میں فعل "ضُرِبَتْ" کا مادہ "ض ر ب" اور وزن "فُعِلَتْ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "ضرَب یضرِب ضربا" کا باب اور بعض معانی البقرہ : ۲۶ [۲ : ۱۹ : ۱ (۲)] میں اور پھر البقرہ : ۶۰ [۲ : ۳۸ : ۱ (۲)] میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہ فعل مختلف صلات کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے۔ اس طرح "ضرَبَ … علیٰ …" کے معنی ہوتے ہیں "… کو … پر مسلط کرنا، تھوپ دینا، لازم قرار دینا"

● "ضُرِبت" فعل مجہول (فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب) ہے۔ اس لیے یہاں "ضُرِبَتْ علیھم" کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "ماری گئی ان پر" اور اسی کا بامحاورہ ترجمہ "ڈالی گئی، ڈال دی گئی۔"

لیس دی گئی، مقرر کر دی گئی، جما دی گئی (ان پر)" کی صورت میں کیا گیا ہے اور بعض نے "چمٹا دی گئی ان سے" بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان سب تراجم میں وہی "مسلط کرنا، تھوپ دینا" والا مفہوم موجود ہے البتہ جنہوں نے "جم گئی" سے ترجمہ کیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ فعل مجہول کا ترجمہ فعل لازم سے کرنے کی کوئی مجبوری نہیں تھی۔

۲ : ۳۹ : ۱ (۴) [الذِّلَّةُ] کا مادہ "ذ ل ل" اور وزن لام تعریف نکال کر "فِعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "ذَلَّ یذِلُّ ذُلًّا وَ ذِلَّةً" (ضرب سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی ہیں: "رام ہونا، آسانی سے قابو میں آ جانا" پھر اس سے یہ فعل "خوار ہونا، عزت سے محروم ہونا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اسی سے مشتق لفظ "ذلیل" (بروزن فعیل) بمعنی "خوار" اردو میں بھی مستعمل ہے اس لیے اس فعل کا ترجمہ "ذلیل ہونا" بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے مضارع کا صرف ایک صیغہ ایک ہی جگہ (طٰہٰ: ۱۳۴) آیا ہے اور مزید فیہ کے باب افعال اور تفعیل سے بھی کچھ صیغے تین جگہ آئے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف معانی کیلئے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ بھی بیس جگہ آئے ہیں۔ ان سب پر حسب موقع بات ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ "الذلۃ" اس فعل مجرد کا مصدر بھی ہے (بمعنی خوار ہونا) اور یہ اسم بھی ہے اور اس کے معنی "خواری، بے عزتی، گھٹیا پن" کے ہیں۔ اور خود یہی لفظ تائے مبسوط کی املاء (ذلت) کے ساتھ اردو فارسی میں اپنے اصل عربی مفہوم کے ساتھ مستعمل ہے یہی وجہ ہے کہ تمام اردو فارسی مترجمین نے اس کا ترجمہ یہی (ذلت ہی) کیا ہے۔ یہ لفظ (ذلۃ) مختلف صورتوں (معرفہ نکرہ وغیرہ) میں قرآن کریم کے اندر سات جگہ وارد ہوا ہے۔

۲ : ۳۹ : ۱ (۵) [وَالْمَسْكَنَةُ] کی "وَ" عاطفہ بمعنی "اور" ہے۔ اور "المسکنۃ" کا مادہ "س ک ن" اور وزن لام تعریف کے بغیر "مَفْعَلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سکن یسکن" کے باب اور مختلف معانی پر البقرہ: ۳۵ [۲ : ۲۶ : ۱ (۱)] میں بات ہوئی تھی۔

● اس فعل کی ایک صورت "سَكُنَ يَسْكُنُ سُكُونَةً" (باب کرم سے) کے معنی ہیں "مسکین ہونا یا ہو جانا" (لفظ "مسکین" بروزن "مِفْعِيل" اسی مادہ (سکن) ہی سے ماخوذ ہے) اور "مسکین" کے معنی ہیں "غریب، تنگدست اور محتاج" اسی لفظ (مسکین) سے مزید فیہ کا ایک فعل "تَمَسْكَنَ يَتَمَسْكَنُ تَمَسْكُنًا" بمعنی "مسکین ہونا" بھی استعمال ہوتا ہے۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

● "اَلْمَسْكَنَة" بھی اسی لفظ (مسکین) سے ماخوذ لفظ ہے جس کے معنی ہیں "مسکین ہونے کی حالت یا مسکینی"۔ اسی لیے اس (المسکنۃ) کا ترجمہ "فقیری، محتاجی، ناداری" کیا گیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ "پستی، پست ہمتی" بھی کیا ہے جو تفسیری ترجمہ ہے اور فعل "سَكَنَ يَسْكُنُ" کے بنیادی معنی (رک جانا) سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ لفظ (المسکنۃ) قرآن کریم میں صرف دو بار آیا ہے۔

۲:۶۱:۱(۱۶) [وَبَآءُوْا] "وَ" عاطفہ (بمعنی "اور") ہے اور "بَاءُوْا" (یہ اس کا رسم املائی ہے رسم قرآنی پر آگے بحث "الرسم" میں بات ہوگی) کا مادہ "ب ء و" اور وزن اصلی "فَعَلُوْا" ہے۔ یہ دراصل "بَوَءُوا" تھا جس میں واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "باءَ يَبُوءُ (دراصل بَوَأَ يَبْوُءُ) بَوْءً" (باب نصر) کے معنی ہوتے ہیں: "لوٹنا، لوٹ کر آنا"۔ یہ فعل عموماً لازم ہی استعمال ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے ساتھ "باء (بِ)" کا صلہ لگتا ہے تو یہ متعدی ہو جاتا ہے (ذهبَ اور ذهبَ بِ.... کی طرح)۔ اس طرح "باءَ بِ..." کا ترجمہ ہوگا: "وہ.. کے ساتھ لوٹا" یا "وہ.... کو لوٹا لایا"۔

● اس فعل کے کچھ اور استعمالات بھی ہیں۔ مثلاً لام کے صلہ کے ساتھ "باءَ لِفلانٍ بِحقِّه" کے معنی ہیں: "... کے سامنے .... کا اقرار کرنا" (یعنی فلاں کے سامنے اس کے حق کا اقرار کیا)۔ اور "باءَ بذنبه" کے معنی بھی "اپنے گناہ کا اعتراف کرنا" ہیں۔ اس فعل کا یہ استعمال قرآن کریم میں تو نہیں آیا۔ مگر حدیث کی مشہور دعا "سید الاستغفار" میں آیا ہے "اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ" (میں اپنے اوپر تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں اور میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں)

● اس فعل (باء يبوء) سے مختلف صیغے قرآن کریم میں پانچ جگہ آئے ہیں اور ہر جگہ "باءَ بِ" یعنی "....لے کر لوٹنا" والے معنی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ مزید فیہ کے ابواب تفعیل اور تفعل سے افعال کے کچھ صیغے بھی گیارہ جگہ آئے ہیں اور ان میں سے بعض صیغے رسم عثمانی (قرآنی) کے مطابق خاص طریقے پر لکھے جاتے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] یہ باب "تَمَفْعُلٌ" کہلاتا ہے۔ اور یہ ثلاثی مزید کا ہی ایک باب ہے۔ ثلاثی مزید فیہ کے عام معروف دس گیارہ ابواب کے علاوہ ۲۳ قلیل الاستعمال ابواب بھی ہیں جو صرف کی بڑی کتابوں میں مذکور ہوتے ہیں مثلاً دیکھئے "علم الصرف" للسورتی ص ۲۴-۲۵۔

[بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ] جو "ب" + "غضب" + "من" + "الله" کا مرکب ہے۔ ان میں سے "باء (بِ)" تو اوپر بیان کردہ فعل "بَاءُوا" کا صلہ ہے جس کے معنی ابھی اوپر بیان ہوئے ہیں۔ کلمہ "غضب" (جو اردو میں بھی مستعمل ہے) کے مادہ، باب معنی وغیرہ البقرہ: ۷ [۱:۶:۱ (۵)] میں بیان ہو چکے ہیں۔ "من" یہاں "کی طرف سے، کی جانب سے" کے معنی میں آیا ہے (من کے استعمالات کے لیے دیکھئے البقرہ: ۳ [۱:۲:۲ (۵)]

● اس طرح اس حصۂ آیت " وباء وابغضب من الله " کا لفظی ترجمہ بنتا ہے " وہ لوٹے اللہ کے ایک (بڑے) غضب کے ساتھ "۔ اکثر مترجمین نے الفاظِ عبارت سے قریب رہتے ہوئے اس کا ترجمہ "پھرے اللہ کا غضب لے کر"، "لوٹے اللہ کا غضب لے کر"، "خدا کے غضب میں لوٹے" سے کیا ہے۔ بعض نے "خدا کے غضب میں آ گئے"، "وہ آ گئے اللہ کے غصہ میں" سے ترجمہ کیا ہے۔ اس میں "آ گئے" تو "لوٹے" ہی کے قریب ہے۔ اور "غضب یا غصہ کے ساتھ" کی بجائے "غضب اور غصہ میں" بامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔ بعض نے محض مفہومِ عبارت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ "خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے" اور "اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے" کی صورت میں کیا ہے جس میں محاورے کا زور زیادہ ہے اور الفاظ سے قریب رہنے کا التزام کم ہے۔

[ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ] جو "ذٰلک" (وہ۔ بات یا معاملہ) + "ب" (اس سبب سے) + "اَنَّ" (کہ بے شک) + "ھُم" (وہ سب) کا مرکب ہے۔ جس کا بامحاورہ اردو ترجمہ "یہ اس لیے (ہوا) کہ وہ" اور "یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ بعض مترجمین نے "یہ بدلا تھا اس کا کہ وہ" اختیار کیا ہے جو لفظ سے ذرا ہٹ کر ہے (مگر غلط نہیں)۔ بعض نے اس ساری عبارت (ذلك بانهم) کا ترجمہ صرف "کیونکہ وہ" کیا ہے۔ اس میں "ذٰلِك" کا ترجمہ نظر انداز ہو گیا ہے جو ایک لحاظ سے ترجمہ کا عیب ہے۔ اگرچہ محاورہ اور مفہوم کے اعتبار سے درست ہے۔

[كَانُوا يَكْفُرُونَ] "كَانُوا" کے مادہ (کون) اور اس سے فعل مجرد کے باب و معنی نیز "کانوا" کی شکل اصلی اور اس میں ہونے والی تعلیل وغیرہ پر مفصل بات البقرہ: ۱۰ [۲:۸:۱ (۱۰)] میں گزر چکی ہے اور "یکفرون" کے مادہ (کفر) سے فعل مجرد کے باب معنی اور استعمال کی بحث البقرہ: ۶ [۲:۵:۱ (۱)] نیز البقرہ: ۱۹ [۲:۱۴:۱ (۱۴)] میں دیکھئے۔ یوں "کانوا یکفرون" کا ترجمہ "وہ تھے انکار کرتے یا نہ مانتے" بنتا ہے جس کی بامحاورہ صورتیں یہ ہیں: "وہ نہیں مانتے تھے"، "منکر ہو جاتے تھے"، "انکار کرتے تھے"، "انکار کرتے رہتے تھے"۔

[بِاٰیٰتِ اللّٰہِ] جو "بِ" + آیات + اللہ کا مرکب ہے (لفظ "آیات" کے رسم عثمانی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی۔ یہاں سمجھانے کے لیے رسم املائی سے لکھا ہے) اس میں "بِ" (باء) تو اوپر والے فعل "یکفرون" کا صلہ ہے۔ ہم اس سے پہلے [۲:۱۵:۱(۱)] میں پڑھ چکے ہیں کہ "کفر بِ..... = ... کا انکار کرنا، ..... کو نہ ماننا۔ لفظ "آیات" (برسم املائی) جمع مؤنث سالم ہے اس کا واحد "آیۃ" ہے۔ جس کا مادہ "ا ی ی" اور وزن "فَعَلَۃٌ" اور شکل اصلی "أَیَیَۃٌ" ہے۔ جس میں یائے متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لکھی بولی جاتی ہے۔ اس لفظ (آیۃ) کے مادہ، شکل اصلی کی تعلیل کے علاوہ اس مادہ سے فعل مجرد وغیرہ پر البقرہ: ۳۹ [۲:۲۷:۱(۱۳)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ اسم جلالت (اللہ) کی لغوی بحث اگر چاہیں تو الفاتحہ: ۱ [۱:۱:۱(۲)] میں دیکھ لیجئے۔ یہاں "آیات اللہ" کا ترجمہ "اللہ کی نشانیوں، اللہ کے حکموں یا حکم" سے کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے۔

:۳۹:۱(۱۷) [وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ] "ویقتلون" (اور وہ قتل کرتے تھے) "یقتلون" کا مادہ (ق ت ل) اور وزن "یَفْعُلُوْنَ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد "قتل یقتُل" (مار ڈالنا) کے باب اور معنی پر البقرہ: ۵۴ [۲:۳۴:۱(۴)] میں بحث ہوئی تھی۔

کلمہ "النَّبِیّٖنَ" (یہ اس کا رسم املائی ہے رسم قرآنی پر بحث "الرسم" میں ہوگی) کا مادہ "ن ب ء" اور وزن اصلی لام تعریف نکال کر "فَعِیْلِیْنَ" بنتا ہے[1]۔ یہ لفظ یہاں بصورت جمع مذکر سالم (مجرور) ہے۔ اس کا واحد "نَبِیٌّ" بروزن "فَعِیْلٌ" ہے جس کی اصلی شکل "نَبِیْءٌ" تھی۔ پھر اس میں ہمزہ کو اس کی ماقبل یائے ساکنہ میں مدغم کر دیا جاتا ہے۔ اس کی اصلی شکل "نَبِیْءٌ" اور جمع سالم "نَبِیْئُوْنَ" بھی مستعمل ہے بلکہ ورش اور قالون (عن نافع) کی قراءت میں یہ اسی طرح پڑھے جاتے ہیں۔ لفظ "نبیّ" کی جمع سالم بھی استعمال ہوتی ہے اور جمع مکسر "انبیاءُ" (غیر منصرف) بھی۔ بلکہ دونوں جمعیں قرآن حکیم میں استعمال ہوئی ہیں۔

● مادہ "ن ب ء" سے فعل مجرد "نَبَأَ ینبَأُ" کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۳۱ [۲:۲۳:۱(۵)] میں بات ہوئی تھی۔ "نَبَأٌ" کسی بہت اہم خبر کو کہتے ہیں۔ اس طرح "نَبِیّ" کے معنی ہیں "بہت اہم خبریں دینے والا" مگر اب یہ لفظ ایک دینی شرعی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد ہوتا ہے "اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی اہم چیزوں (مثل حشر و نشر وغیرہ) کی خبریں دینے والا" ان

---

[1] بعض نے اسے "ن ب و" سے لیا ہے "نبا ینبو: بلند ہونا۔ اس طرح "نبیّ" کا مطلب "بلند مرتبہ" بنتا ہے۔

اہم خبروں میں اکثر (مثلاً حیات بعد الموت، فرشتے، جنت، جہنم وغیرہ) امور غیبیہ سے ہیں جن کو انسانی حواس نہیں پا سکتے اس لیے بعض حضرات نے "نبیؐ" کا ترجمہ (قریباً ہر جگہ) "غیب کی باتیں بتانے والا/خبریں دینے والا" کیا ہے۔ یہ ترجمہ اپنی لغوی اصل کے اعتبار سے یکسر غلط بھی نہیں ہے مگر "نبی کے علم الغیب" کو اپنی "کلامی" شناخت بنا لینے والوں کی طرف سے یہ ترجمہ بدنیتی سے خالی بھی نہیں بلکہ بقول حضرت علیؓ "كلمة الحق يراد به الجور" (بدنیتی پر مبنی حق گوئی) ہے۔ اور پھر یہ بھی تو ہے کہ دوسری متعدد اصطلاحات کی طرح لفظ "نبی" ایک ایسی اصطلاح ہے جو اپنے اصل شرعی معنی کے ساتھ اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا ترجمہ کرنے کی توچنداں ضرورت بھی نہیں رہتی۔ ہاں لغوی تشریح کرنا اور بات ہے۔ اسی لیے "ويقتلون النبيين" کا ترجمہ "اور وہ نبیوں کو مار ڈالتے/قتل کر ڈالتے تھے یا نبیوں کا خون کرتے تھے" کیا گیا ہے۔

[بِغَيْرِ الْحَقِّ] جو "بِ" + "غيرِ" + "الحق" کا مرکب ہے۔ "ب" (باء) کے معانی و استعمال البقرہ: ۴۵ [۲: ۳۰: ۱(۱)] میں "غَير" کی لغوی تشریح الفاتحہ: ۷ [۱: ۶: ۱(۴)] میں اور "الحق" کی لغوی (یعنی مادہ، وزن باب معنی وغیرہ) تشریح البقرہ: ۲۶ [۲: ۱۹: ۱(۶)] میں دیکھئے۔

● اس طرح "بغير الحق" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "بسبب اس کے جو حق کے سوا (کچھ اور) ہے"۔ اردو میں "بغیر" کا لفظ اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ رائج ہے اس لیے "بغير الحق" کا ترجمہ "حق کے بغیر" اور مختصراً "ناحق" بھی ہو سکتا ہے۔ جو اردو محاورے کے عین مطابق بھی ہے۔

[ذٰلِكَ بِمَا] یہ "ذٰلك" (وہ ...) + "بِ" (بسبب، بوجہ) + "مَا" (وہ جو کہ) کا مرکب ہے، اس کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "یہ اس وجہ سے (ہوا) جو کہ"۔ جس کا عام بامحاورہ ترجمہ "یہ اس لیے (ہوا) کہ" ہے۔

۲: ۳۹: ۱(۱۸) [عَصَوْا] کا مادہ "ع ص ی" اور وزن اصلی "فَعَلُوا" ہے اصلی شکل "عَصَيُوا" تھی جس میں واو الجمع سے ماقبل والا حرف علت (جو یہاں "ی" ہے) کتابت اور تلفظ دونوں سے ساقط کر دیا جاتا ہے اور اب اس کے ماقبل (جو یہاں "ص" ہے) کی حرکت فتحہ (ـَ) برقرار رہتی ہے ــ یوں یہ لفظ "عَصَوا" رہ جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "عَصَى ... يَعْصِي عِصْيَانًا وَمَعْصِيَةً" (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: "... کی نافرمانی کرنا ... کا حکم نہ ماننا یعنی اس پر عمل نہ کرنا"۔ یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہ آتا ہے جیسے "فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ" (المزمل: ۱۶) یعنی فرعون نے رسول کی نافرمانی کی"۔ بعض دفعہ اس کا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے جو سیاقِ عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے مثلاً زیر مطالعہ آیت میں بھی "عَصَوا" کے ساتھ یہ نہیں بتایا گیا کہ کس کی

نافرمانی کی تھی ، بہرحال اس فعل کا مفعول عموماً "اللہ" رسولؐ یا ان کے احکام ہی ہوتے ہیں جو کبھی مذکور ہوتے ہیں کبھی غیر مذکور مگر مفہوم ہوتے ہیں۔ اس فعل مجرد (عصَی یعصِی) سے مختلف صیغہ ہائے فعل قرآن کریم میں ۲۷ جگہ آتے ہیں۔ اور اس سے مصدر اور اسم صفت کے کچھ صیغے چار جگہ آتے ہیں۔ اس مادہ سے مزید فیہ کا کوئی فعل قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اگرچہ عام عربی میں بعض ابواب (مزید فیہ) مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "عصَوا" فعل مجرد سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ جس کا ترجمہ "انہوں نے نافرمانی کی" ہے۔ اور اس کو سابقہ کلمات (ذلک بما) کے ساتھ ملانے سے پوری عبارت (ذلک بما عصوا) کا ترجمہ بنتا ہے "یہ اس لیے (ہوا) کہ انہوں نے نافرمانی کی"۔ اور اگر "مَا" کو مصدریہ سمجھیں تو مصدر مؤوّل کے ساتھ مفہوم ہوگا "بعصیانھم" یعنی "(یہ بات) ان کی نافرمانی کی وجہ سے (ہوئی)"۔ اردو کے اکثر مترجمین نے تو اس کا ترجمہ فعل ماضی سے "نافرمانی کی، اطاعت نہ کی، نافرمانی کیے جاتے تھے" کی صورت میں کیا ہے۔ چند ایک نے "ما" مصدریہ کے ساتھ بھی ترجمہ کیا ہے یعنی "بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں کا" کی شکل میں۔ جب کہ بعض نے جملہ اسمیہ کی طرح "بے حکم تھے نافرمان تھے" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے جو اصل لفظ (نص) سے بالکل ہٹ کر ہے۔ اسے بلحاظِ مفہوم ہی درست کہا جا سکتا ہے۔

۲ : ۳۹ : ۱ (۱۹) [وَكَانُوا يَعْتَدُونَ] "وَ" اور "کانوا" کئی دفعہ گزر چکے ہیں ضرورت محسوس ہو تو "وَ" کے لیے [۱ : ۴ : ۱ (۳)] اور [۲ : ۷ : ۱ (۱)] اور "کانوا" کے لیے البقرہ : ۱۰ [۲ : ۸ : ۱ (۱۰)] دیکھ لیجئے۔ یہاں ابتدائی "وَ" کے مشدد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر "وَ" سے پہلے "واو الجمع مفتوح ماقبلھا" (وہ واو الجمع جس سے پہلے والا حرف مفتوح ہو) ہو تو "مدّ" کے پیدا نہ ہونے کی وجہ سے دونوں "واو" مدغم ہو کر پڑھی جاتی ہیں، اگر واو الجمع کا ماقبل مضموم ہو (جیسے آمنُوا وَعملُوا میں ہے) تو "مدّ" پیدا ہو جانے کی وجہ سے ادغام نہیں ہوتا۔ اس واو الجمع مفتوح ماقبلھا کے بصورت وصل پڑھنے کے کچھ اور قاعدے بھی ہیں جو آگے آئیں گے۔

"یَعْتَدُونَ" کا مادہ "ع د و" اور وزن اصلی "یفتعِلُون" ہے۔ اصل میں "یعتدِوُون" تھا جس کی واو ماقبل مکسور "ی" میں بدل کر "یعتدِیُون" بنا۔ پھر واو الجمع والے قاعدے کے تحت (جو کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے) "ی" گرا کر اس سے ماقبل مکسور حرف صحیح کو (جو یہاں "د" ہے) مضموم کر کے پڑھا جاتا ہے یعنی یعتدِوُون = یعتدِیُون = یعتدِوْن = یعتدُونَ اس مادہ (ع د و) سے فعل مجرد

کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۳۶ [۲ : ۲۶ : ۱ (۱۹)] میں بات ہوئی تھی۔

● کلمہ "یعتدون" اس مادہ سے بابِ افتعال کے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اس باب سے فعل "اعتدٰی یَعتدِیُ" (دراصل اعتدَیَ یعتدِیُ) اعتداءً (جو دراصل اعتدایًا تھا) کے معنی ہوتے ہیں "حد سے بڑھنا، سرکشی کرنا"۔ بنیادی طور پر یہ فعل متعدی ہے عموماً اس کا مفعول "الحق" ہوتا ہے جو بنفسہٖ بھی آتا ہے اور "عن" یا "فوق" کے صلہ کے ساتھ بھی۔ مثلاً کہتے ہیں "اعتدی الحقَّ" اور "اعتدی عن الحق" اور "اعتدی فوقَ الحق"۔ سب کا مطلب ہے "اس نے حق سے تجاوز کیا۔ حق کی حد سے بڑھ گیا"۔ مؤخر الذکر یعنی آخری دو استعمال قرآن میں نہیں آتے۔

● اگر اس فعل کے بعد "علی" کا صلہ آئے تو اس کے معنی "کسی پر ظلم کرنا" ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "اعتدی علیہ" (اس نے اس پر ظلم کیا / زیادتی کی)۔ بعض دفعہ اس کا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے جیسے اسی (زیرِ مطالعہ) آیت میں یہ مذکور نہیں کہ وہ کس سے سرکشی کرتے تھے یا کس پر ظلم کرتے تھے؟ (یعنی "حق" یا "احکامِ الٰہی" سے یا لوگوں پر) قرآن کریم میں اس باب سے اس فعل کے مختلف صیغے ۱۵ جگہ آئے ہیں۔ ان میں سے تین جگہ پر یہ "علیٰ" کے صلہ کے ساتھ آیا ہے اور یہ تینوں مواقع ایک ہی آیت (البقرہ: ۱۹۴) میں آئے ہیں۔ صرف ایک جگہ (البقرہ: ۲۲۹) یہ فعل مفعول بنفسہٖ کے ساتھ آیا ہے۔ باقی بارہ۱۲ مقامات پر یہ فعل مفعول کے ذکر کے بغیر آیا ہے، جو سیاقِ عبارت سے سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح یہاں "وکانوا یعتدون" کا ترجمہ لفظی "وہ حد سے بڑھ جاتے تھے" بنتا ہے۔ جس میں محاورے کا زور پیدا کرنے کے لیے "وہ حد سے نکل جاتے تھے، حد پر نہ رہتے تھے، (دائرہ اطاعت سے) نکل نکل جاتے تھے، حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے، حد سے بڑھے جاتے تھے" اور "حد سے زیادہ بڑھ جاتے تھے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے اسے سابقہ عبارت "بما عصوا" پر بذریعہ "واو" عطف ہونے کی بنا پر یہاں بھی "مَا مصدریہ" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی "اور حد سے بڑھنے کا بدلہ" جو مصدر مؤوّل کے ساتھ یعنی "باعتدائھم" کا ترجمہ ہے۔

۲ : ۳۹ : ۲ الإعراب

زیرِ مطالعہ آیت یوں تو خاصی طویل ہے تاہم اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل سات چھوٹے بڑے جملوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض جملے کسی حرفِ عطف کے ذریعے یا بلحاظِ مضمون باہم مربوط ہیں اور بعض مستانفہ جملے ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

(۱) واذ قلتم یموسی لن نصبر علی طعام واحد :
[وَ] عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور مستانفہ بھی اس لیے کہ یہاں سے ایک اور واقعہ کا ذکر شروع ہوتا ہے [إذ] ظرفیہ ہے۔ نحویوں کے مطابق ظرف مضاف ہو کر آتا ہے اسی لیے فنی طور پر "اذ" کے بعد والا پورا جملہ مضاف الیہ لہٰذا محلاً مجرور ہے۔ [قلتم] فعل ماضی مع ضمیر فاعلین "انتم" ہے [یا موسیٰ] "یا" حرف ندا اور "موسیٰ" منادی مفرد ہے لہٰذا یہاں مرفوع ہے علامت رفع اسم مقصور میں ظاہر نہیں ہوتی۔ [لن نصبرَ] میں "لن" حرفِ نفی مع تاکید ہے اور ناصب بھی اور یہ فعل مستقبل کے مفہوم کے لیے آتا ہے "نصبر" فعل مضارع منصوب "بِلَن" ہے۔ علامت نصب آخری "ر" کی فتحہ (ـَـ) ہے۔ اور اس (نصبر) میں ضمیر فاعلین "نحن" مستتر ہے یوں نفی، تاکید اور استقبال کا مفہوم جمع ہونے کی بنا پر "لن نصبر" کا ترجمہ ہوگا "ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے" [علی] حرف الجر اور [طعامٍ] مجرور بالجر ہے اور [واحدٍ] "طعام" کی صفت ہونے کے باعث مجرور ہے اسی لیے دونوں کے آخر پر تنوین الجر (ـٍـ) آئی ہے۔ یہ سارا مرکب جاری (علی طعام واحد) متعلق فعل (نصبر) ہے اور "یاموسیٰ" سے لے کر "طعامٍ واحدٍ" تک کا جملہ "قلتم" کا مقول (مفعول) ہونے کے باعث محلاً نصب میں ہے۔

(۲) فادع لنا ربك یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها و قثائها و فومها و عدسها و بصلها۔
اس نسبتاً لمبے جملے میں [فَ] عاطفہ سببیہ (بمعنیٰ "اس لیے") ہے اور [أُدْعُ] فعل امر مع ضمیر فاعل "انت" ہے۔ اس کا ہمزۂ وصل بوجہ "فا" پڑھنے میں نہیں آیا۔ [لنا] جار (لِ) اور مجرور (نا) مل کر متعلق فعل (فادع) ہے [رَبَّكَ] مضاف (ربَّ) اور مضاف الیہ (كَ ضمیر مجرور) مل کر فعل (ادع) کا مفعول بہ ہے۔ اسی لیے "ربَّ" منصوب ہے جو آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف بھی ہے علامتِ نصب اس میں آخری "ب" کی فتحہ (ـَـ) ہے [یُخْرِجْ] فعل مضارع مجزوم (صیغہ واحد مذکر غائب) ہے۔ جزم کی وجہ اس کا جوابِ امر (ادع) ہونا ہے اور علامتِ جزم "ج" کا سکون (ـْـ) ہے [لنا] جار مجرور متعلق فعل (یخرج) ہے [مِمَّا] بھی جار (مِن) اور مجرور (مَا) مل کر متعلق فعل ہے اور اس میں "مَا" اسم موصول ہے [تُنْبِتُ] فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب ہے جس کا فاعل [الارضُ] ہے جو مؤنث سماعی ہے۔ اسی لیے فعل (تنبت) بصیغہ تانیث آیا ہے نیز "الارض" بوجہ فاعل ہونے کے مرفوع ہے علامتِ رفع "ض" کا ضمہ ہے اور یہ جملہ فعلیہ (تنبت الارض) اسم موصول "مَا" (مما والا) کا صلہ ہے جو "مِن" (مما والا) کا مجرور بنتا ہے۔

[مِن بَقْلِهَا] کا "مِن" سابقہ "مِنْ" (مما والا) کا بدل ہے اور "بقلھا" مضاف ("البقل" جو مجرور بالجر بھی ہے) اور مضاف الیہ (ھا۔ ضمیر مجرور) مل کر اس ابتدائی "مِن" کا مجرور ہے یہاں "مِنْ" بیانیہ ہے یعنی "از قسم۔۔۔" کے معنی میں ہے [وَ قِثَّائِهَا] کی "وَ" عاطفہ اور "قثائِھا" مضاف مضاف الیہ مل کر بذریعہ واو عاطفہ "من بقلھا" پر عطف ہے اسی لیے "قثاءِ" مجرور (اور بوجہ اضافت خفیف بھی) ہے۔ اسی طرح [وَ فومِھا۔ وعَدَسھا۔ وبَصَلِھا] بھی بذریعہ واو عطف "من بقلھا" پر عطف ہیں۔ اور اسی "مِن" کی وجہ سے ہر ایک مضاف (فوم' عدسِ اور بصلِ) مجرور آیا ہے اور ہر ایک بوجہ مضاف ہونے کے خفیف (لام تعریف اور تنوین سے خالی) بھی ہے اور مضاف الیہ ضمیر مجرور (ھا) ہر جگہ "الارض" کے لیے ہے۔ یہ جملہ (۲) بلحاظ مضمون سابقہ جملے (۱) سے مربوط ہے اور یہ دونوں (۱ و ۲) فعل "قلتم" کے مقول (مفعول) ہیں لہٰذا محلاً منصوب ہیں۔

③ قال اتستبدلون الذی ھوادنی بالذی ھوخیر:

[قال] فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعل "ھو" ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے۔ [أ] حرف استفہام ہے اور [تستبدلون] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "انتم" ہے [الذی] اسم موصول ہے جو فعل "تستبدلون" کا مفعول بہ (لہٰذا منصوب) ہے مگر مبنی ہونے کی وجہ سے علامتِ نصب ظاہر نہیں ہے "یعنی وہ چیز جو بدل کر لی جا رہی ہے"۔ [ھُوَ] مبتدأ ضمیر مرفوع منفصل ہے اور [ادنیٰ] اس کی خبر (لہٰذا مرفوع) ہے جس میں اسم مقصور ہونے کے باعث علامتِ رفع ظاہر نہیں ہے۔ اور یہ جملہ اسمیہ (ھوادنی = یعنی وہ گھٹیا ہے) اسم موصول "الذی" کا صلہ ہے اور دراصل تو صلہ موصول مل کر (الذی ھوادنی) فعل "تستبدلون" کا مفعول اور محلاً منصوب ہے۔ [بالذی] کی "بِ" جارّہ اور "الذی" اسم موصول مجرور بالجر ہے۔ مبنی ہونے کی وجہ سے کوئی ظاہری علامتِ جر نہیں ہے۔ اور یہ جار مجرور (بالذی) متعلق فعل "تستبدلون" ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ یہ اس کے دوسرے مفعول (جو چیز بدلے میں چھوڑ دی جائے) کا کام دے رہا ہے۔ [ھُوَ] ضمیر مرفوع منفصل مبتدأ ہے اور [خیر] اس کی خبر (لہٰذا) مرفوع ہے۔ اور یہ جملہ اسمیہ (ھوخیر = وہ بہتر ہے) اس دوسرے "الذی" (بالذی والا) کا صلہ ہے۔ اور یہ سارا جملہ (أتستبدلون۔۔۔۔ خیر) فعل "قال" کا مقول (مفعول) ہونے کے باعث محل نصب میں ہے۔

④ اھبطوا مصرًا فان لکم ماسألتم:

[اھبطوا] فعل امر مع ضمیر الفاعلین "انتم" ہے۔[مصرًا] اس فعل کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے علامتِ نصب تنوین نصب (ـً) ہے۔[فانّ] کی فاء (فَ) عاطفہ سببیہ اور "إنّ" حرف مشبہ بالفعل ہے جس کا اسم آگے مؤخر ہو کر آ رہا ہے۔[لکم] جار مجرور مل کر خبر "ان" ہے (یا بقول بعض قائم مقام خبر ہے) جو اس کے اسم سے مقدم (پہلے) آئی ہے اور[ما] اسم موصول ہے جو "إنّ" کا اسم (لہٰذا) منصوب ہے مگر مبنی ہونے کے باعث ظاہر علامت نصب سے خالی ہے [سألتم] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "انتم" ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر "ما" کا صلہ ہے۔ اور دراصل تو صلہ موصول مل کر ہی "إنّ" کا اسم بنتے ہیں۔ گویا دراصل عبارت "فانّ ما سألتم لکم" تھی (جو تم مانگتے ہو ملے گا)۔ یہ جملہ (۴) یوں تو مستانفہ ہے مگر بلحاظ مضمون یہ بھی سابقہ جملے (۳) والے "قال" کے مقول میں داخل ہے یعنی یہ بات بھی ان سے کہی گئی۔

⑤ وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ

[وَ] مستانفہ ہے اس کے مابعد کا ماقبل پر بلحاظ مضمون عطف نہیں ہو سکتا [ضُرِبَتْ] فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مؤنث ہے۔ اور یہ صیغہ تانیث اس لیے ہے کہ آگے اس کا نائب فاعل (الذلۃ) مؤنث آ رہا ہے [علیھم] جار مجرور (علی + ھم) مل کر فعل "ضُرِبت" سے متعلق ہیں۔ بلکہ "علی" اس فعل کا صلہ ہے [الذِلّۃُ] فعل "ضُرِبت" کا نائب فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے۔ علامت رفع "ۃ" کا ضمہ (ـُ) ہے۔[وَالمسکنۃ] "وَ" عاطفہ کے ذریعے "الذلۃُ" پر عطف ہے اس لیے اس کا اعراب بھی نائب فاعل والا (رفع) ہے [وَ] عاطفہ ہے جو مابعد جملے کو ماقبل جملے پر عطف کرتی (ملاتی) ہے [باءوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "ھم" ہے [بغضب] میں "باء" جارہ (بِ) تو صلہ فعل (باءوا) ہے اور "غضب" مجرور بالجر ہے یہ ایک طرح سے فعل "باءوا" کے مفعول بہ کا کام دے رہا ہے لہٰذا اسے (بغضب) محلاً منصوب بھی کہا جا سکتا ہے اور چاہیں تو جار مجرور متعلق فعل کہہ لیں [من اللہ] میں "من" جارہ (بیانیہ) ہے اور "اللہ" مجرور بالجر ہے۔ اور یہ جار مجرور (من اللہ) "غضب" (جو نکرہ موصوف ہے بمعنی "ایسا غضب جو۔۔۔") کی صفت ہے یا اس (غضب) کا حال بھی سمجھا جا سکتا ہے (یعنی اس حالت میں کہ وہ غضب اللہ کی طرف سے تھا) یہ جملہ (۵) دراصل دو فعلیہ جملوں ("ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ" ۔اور۔ "باءوا بغضب من اللہ") پر مشتمل ہے جو واو عاطفہ کے ذریعے ملا دیئے گئے ہیں۔

⑥ ذلک بانھم کانوا یکفرون بایت اللہ ویقتلونَ النبین بغیر الحق۔

[ذلک] مبتدأ ہے اور اس سے مراد "ذلک الغضب" ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ تقدیر (دراصل)

عبارت کچھ یوں بنتی ہے " وقع علیھم ذلک الغضب بِ..." (یعنی یہ غضب ان پر اس لیے پڑا کہ) [بانھم] کی "باء" جارّہ سببیہ ہے یعنی وہ غضب اس سبب سے ہوا کہ" اَن" حرف مشبہ بالفعل اور "ھم" ضمیر منصوب اس کا اسم ہے۔ اور [کانوایکفرون] فعل ماضی استمراری مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ بن کر" ان" کی خبر ہے اور چاہیں تو" کانوا" کو فعل ناقص سمجھ کر" یکفرون" کو اس کی خبر قرار دیں اس طرح یہ (کانوایکفرون) جملہ اسمیہ (بمعنی کانوا کافرین) ہو کر" ان" کی خبر ہے [بآیات اللہ] میں "بِ" تو فعل "یکفرون" کا صلہ ہے اور" آیات اللہ" مضاف (آیات) اور مضاف الیہ (اللہ) مل کر مجرور بالجر (بِ) ہے اسی لیے "آیات" مجرور ہے اور بوجہ اضافت خفیف بھی ہے علامت جر اس میں "اتِ" ہے یعنی یہ اعراب بالحروف ہے۔ چاہیں تو اس مرکب جاری (بآیات اللہ) کو متعلق فعل (یکفرون) قرار دیں اور چاہیں تو اسے اسی فعل (یکفرون) کا مفعول بہ سمجھ کر محلاً منصوب قرار دے لیں۔ [وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے [یقتلون] کا عطف" یکفرون" پر ہے یعنی "کانوا یکفرون وکانوایقتلون"۔ اور" یقتلون" فعل مضارع مع ضمیر الفاعلین "ھم" ہے [النبیین] فعل "یقتلون" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب اس میں آخری "نون" سے پہلی "ی" (یاء) ماقبل مکسور (ـِ ی) ہے جو جمع سالم مذکر میں نصب اور جر کی علامت ہوتی ہے۔ [بغیر الحق] میں "باء" (بِ) جارّہ اور "غیر" مجرور بالجر ہے اور آگے مضاف بھی ہے اور" الحق" اس (غیر) کا مضاف الیہ مجرور ہے اور یہ مرکب جاری (بغیر الحق) متعلق فعل "یقتلون" ہے۔ یا ایک مصدر محذوف کی صفت بھی بن سکتا ہے یعنی "یقتلون قتلاً بغیر الحق"۔ بہر صورت یہ بغیر الحق فعل کی تاکید کے طور پر آیا ہے اور یہ ساری عبارت (کانوا سے بغیر الحق تک) "انھم" کے "اَنَّ" کی خبر بنتی ہے یعنی یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ ایسے ایسے تھے۔

⑦ ذلک بما عصوا وکانوایعتدون

[ذلک] مثل سابق مبتدا ہے اور اس کے ساتھ بھی کچھ عبارت محذوف (مگر مفہوم) ہے جیسا کہ پہلے والے" ذلک" کے ساتھ (جملہ ۶ میں) بیان ہوا ہے [بما] کی "بِ" سببیہ اور" ما" موصولہ یا مصدریہ ہے (یعنی دونوں ممکن ہیں) [عصوا] فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں ضمیر الفاعلین "ھم" مستتر ہے۔ اس طرح یہ جملہ فعلیہ ہو کر اسم موصول (ما) کا صلہ بھی ہو سکتا ہے یعنی "بوجہ اس کے جو کہ نافرمانی کی انہوں نے"۔ اور اگر "ما" کو مصدریہ سمجھیں تو مصدر مؤوّل کے ساتھ عبارت ہو گی" بعصیانھم" یعنی ان کی نافرمانی کی وجہ سے"۔ [وَ] عاطفہ ہے اور [کانوا] فعل ناقص ہے جس میں اس کا اسم "ھم"

شامل ہے اور [یعتدون] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ بن کر "کانوا" کی خبر ہے اور چاہیں تو "کانوا یعتدون" کو فعل ماضی استمراری سمجھ کر سابقہ فعل "بما عصوا" پر عطف سمجھ لیں یعنی "وبما کانوا یعتدون" یا ما مصدریہ سمجھ کر اسے "وبکونھم معتدین" کے برابر قرار دیں یعنی ان کے سرکش ہونے کی وجہ سے۔

● یہ جملہ (جس میں ذلک بِ.... کی تکرار ہے یعنی وجہ دوبارہ یا دوسری بیان ہوئی ہے) یہ جملہ ۵ میں بیان کردہ "غضب و ذلت" کی دوسری وجہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے (پہلی وجہ جملہ ۶ میں ان کا "کفر بآیات اللہ" اور "قتل انبیاء" بیان ہوا ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دوسرا "ذلک" اس "کفر و قتل" کے لیے ہو اور مفہوم یہ ہو کہ یہ "کفر آیات" اور "قتل انبیاء" تک پہنچ جانا (جو باعثِ غضب بنا) نتیجہ تھا ان کی نافرمانی اور سرکشی کی انتہاء کا۔ بہر حال دوسرے "ذلک" کا محذوف مشارٌ الیہ مثل سابق "ذلک الغضب" بھی ہو سکتا ہے اور اس سے الگ "ذلک الکفر والقتل" بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ذلک کے ساتھ دو مستقل جملے آئے ہیں۔

۲:۳۹:۳ الرسم

آیت زیر مطالعہ میں سے اکثر کلمات کا رسم املائی اور رسم قرآنی یکساں ہے۔ صرف پانچ کلمات یعنی "یاموسی - واحد - باء وا - بایات اور النبیین" کا رسم عثمانی عام املاء سے مختلف ہے۔ یہاں ہم نے اس فرق کو سمجھانے کے لئے ان کلمات کو پہلے عام رسم املائی میں لکھا ہے۔ ان پانچ کلمات کے علاوہ دو اور کلمات یعنی "ذلک" اور "مما" بھی غور طلب ہیں۔ تفصیل یوں ہے:

(۱) "یٰمُوسٰی" قرآن کریم میں ہر جگہ بحذف الف بعد الیاء یعنی بصورت "یموسی" لکھا جاتا ہے۔ یہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ رسم عثمانی کے مطابق قرآن کریم میں ہر جگہ حرف نداء (یا) بحذف الف اپنے منادیٰ کے ساتھ ملا کر لکھا جاتا ہے بصورت "یـ ..."۔ پھر اسے پڑھنے کے لئے بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے۔

(۲) "واحد" کے رسم قرآنی میں اختلاف ہے۔ الدانی نے لکھا ہے کہ "فاعل" کے وزن پر آنے والے کلمات قرآن میں باثبات الف لکھے جاتے ہیں ماسوائے بعض خاص کلمات کے جن کے حذف الف کی تصریح کر دی گئی ہو۔ الدانی نے اس کلمہ (واحد) میں حذف الف کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس کے برعکس ابوداؤد کی طرف منسوب قول کے مطابق یہ لفظ (واحد) بحذف الف بصورت "وحد" لکھا جاتا ہے[۱] ۔ چنانچہ تمام عرب اور بیشتر افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے بحذفِ الف یعنی "وحد" لکھا جاتا ہے۔ لیبیا کے مصاحف میں

۱۔ سمیر الطالبین (للضباع) ص ۳۹ و ۶۱

اور مشرقی ممالک (برصغیر' ترکی' ایران وغیرہ) میں اسے باثبات الف یعنی "واحد" ہی لکھا جاتا ہے بلکہ ارکانی نے اس میں اثبات الف پر اتفاق بیان کیا ہے ۲۔

③ "بَاءُو" ان چھ کلمات میں سے ایک ہے جن میں واو الجمع کے بعد الف زائدہ نہیں لکھا جاتا۔ حالانکہ واو الجمع کے بعد ایک زائد الف کا لکھنا رسم املائی اور رسم عثمانی دونوں کا متفقہ اصول ہے مگر رسم عثمانی میں چھ کلمات اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ (باء وا) ہے جو قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اسے آخری الف زائدہ کے بغیر بصورت "باء و" ہی لکھا جاتا ہے۔ بلکہ دراصل مصحف عثمانی میں تو اسے "باو" ہی لکھا گیا تھا۔ بعد میں جب ہمزہ قطع کے لئے مختلف علامات مثلاً "ء' مر' E یا o (گول زرد نقطہ) ایجاد ہوئیں تو "با" اور "و" کے درمیان لکھی جانے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مصاحف (مثلاً ترکی اور ایران میں) ہمزہ "و" کے اوپر ہی لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "باؤ"۔۔واو الجمع کے بعد الف زائدہ نہ لکھے جانے والے باقی پانچ کلمات پر حسب موقع بات ہوگی۔

④ "بآیات" (اللہ) میں لفظ "آیات" جو قرآن کریم میں قریباً ۳۰۰ جگہ آیا ہے ہر جگہ اسے بحذف الف بعد الیاء یعنی بصورت "ایت" ہی لکھا جاتا ہے چاہے مفرد ہو یا مضاف ہو کر آیا ہو۔۔۔۔ صرف دو یا تین مقامات پر اسے باثبات الف لکھنا ثابت ہے' ان مقامات پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی ۳۔

دراصل اس لفظ میں دو حرف محذوف ہیں۔ یہ دراصل "ءَ ا یات" تھا۔ قرآن کریم میں ہر جگہ "الف ماقبل ہمزہ مفتوحہ" کو ہمزہ حذف کر کے صرف بصورت الف (ا) ہی لکھا جاتا ہے بلکہ عام رسم املائی میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ تاہم چونکہ یہ ہمزہ پڑھا ضرور جاتا ہے اس لئے عام ضبط میں تو اسے بصورت "آ" ظاہر کیا جاتا ہے مگر قرآن کریم کے ضبط میں اس (ہمزۂ محذوفہ) کو ظاہر کرنے کے مختلف طریقے (ضبط کے) استعمال ہوتے ہیں۔۔۔ ہمزہ کے حذف کے بعد یہ لفظ "ایات" بنتا ہے اور یہی اس کا عام رسم املائی ہے۔ مگر قرآن کریم میں اسے بحذف الف بعد الیاء یعنی بصورت "ایت" لکھا جاتا ہے۔

⑤ "النبیین" جو قرآن کریم میں کل ۱۳ مقامات پر آیا ہے ہر جگہ رسم عثمانی کے مطابق بحذفِ یاء بعد الیاء یعنی صرف ایک یاء کے ساتھ بصورت "النبین" لکھا جاتا ہے۔ بلکہ علماء میں یہ بحث بھی ہوئی ہے کہ محذوف یاء پہلی ہے یا دوسری ۴ بہرصورت اسے ایک "یاء" کے ساتھ "النبین" لکھا جاتا ہے۔ مگر چونکہ وہ محذوف "ی" پڑھی ضرور جاتی ہے اس لئے اسے بذریعہ ضبط ظاہر کرنے کے مختلف طریقے ہیں جو آپ

---

۲ نثر المرجان (للارکاٹی) ج ۱ ص ۱۵۵

۳ دیکھئے المقنع للدانی ص ۲۰ اور سمیر الطالبین للضباع ص ۳۶

۴ دیکھئے سمیر الطالبین للضباع ص ۶۶ نیز نثر المرجان ج ۱ ص ۱۵۵۔

بحث الضبط میں دیکھیں گے۔ بلکہ رسم عثمانی کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جہاں دو "یاء" یا دو "واو" جمع ہوں تو عموماً ایک کو لکھنے میں حذف کر دیا جاتا ہے ۵۔ پھر اسے بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں آگے چل کر سامنے آئیں گی۔

⑥ کلمہ "ذٰلک" کا رسم املائی اور رسم عثمانی دونوں بحذف الف بعد الذال ہیں یعنی یہ لفظ رسم معتاد میں بھی رسم قرآنی کے مطابق ہی لکھا جاتا ہے۔

⑦ کلمہ "مِمَّا" جو دراصل "مِنْ مَا" ہے اس کے متعلق پہلے بھی غالباً البقرہ: ۳ کے سلسلے میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ موصول (ملا کر) بصورت "مما" لکھا جاتا ہے' صرف تین مقامات پر اسے مقطوع "من ما" لکھا جاتا ہے اور ان تین مقامات میں سے بھی متفق علیہ فقط ایک مقام ہے۔ ان پر بات حسب موقع ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۳۹:۴ الضبط

زیر مطالعہ آیت کے کلمات کے ضبط میں بعض فرق قابل غور ہیں۔ خصوصاً "اهبطوا" اور "النبیین" کا ضبط۔ اس کے علاوہ "اقلاب نون بمیم" اور الف محذوفہ کو ظاہر کرنے میں ضبط کا تنوع بھی غور طلب ہے۔۔ "اهبطوا" کے ضبط میں عرب ممالک کے مصاحف میں ہمزۃ الوصل کے لئے کوئی حرکت (جو کسرہ (ـِ) ہونی چاہئے) نہیں لکھی جاتی بلکہ اسے قاری کی عربی دانی پر چھوڑ دیا جاتا ہے جو غیر عربی دان کے لئے ضبط کا سب سے بڑا عیب ہے۔ مشرقی ممالک کا طریق ضبط اس لحاظ سے (اور کئی اور پہلوؤں سے بھی) کہیں بہتر ہے۔

وَاِذْ' اِذْ' اِذْ / قُلْتُمْ' قُلْتُمْ / يٰمُوْسٰى' يَامُوسَى' يٰمُوْسٰى / لَنْ' لَن' لَن / نَصْبِرَ' نَصْبِرَ / عَلٰى' عَلَى / طَعَامٍ' طَعٰمٍ' طَعَامٍ / وَّاحِدٍ' وٰاحِدٍ' وَّٰحِدٍ (بحذف الف) / فَادْعُ' فَادْعُ' فَادْعُ / لَنَا' لَنَا' لَنَا / رَبَّكَ' رَبَّكَ / يُخْرِجْ' يُخْرِجْ / لَنَا / مِمَّا' مِمَّا' مِمَّا / تُنْبِتُ' تُنْۢبِتُ' تُنْبِتُ / الْاَرْضُ' اَلْاَرْضُ' اُلْأَرْضُ / مِنْۢ' مِنْ' مِنْ / بَقْلِهَا' بَقْلِهَا' بَقْلِهَا / وَقِثَّآئِهَا' قِثَّائِهَا' قِثَّآئِهَا / وَفُوْمِهَا' فُومِهَا' فُوْمِهَا / وَعَدَسِهَا' عَدَسِهَا' عَدَسِهَا / وَبَصَلِهَا' بَصَلِهَا / قَالَ' قَالَ' قٰلَ / اَتَسْتَبْدِلُوْنَ' اَتَسْتَبْدِلُونَ'

۵ مزید مثالوں کے لئے دیکھئے سمیر الطالبین ص ۶۵-۶۶